تفسیر بیان القرآن از مولانا اشرف علی تھانوی 'رائے اور آثار' کا امتزاج

Tafsir Bayan al-Qur'an by Maulana Ashraf Ali Thanvi, a combination of 'raai and Aatahr'

Dr Muhammad Zohaib Hanif
Specialist Islamiyat, The Aga Khan University Examination Board, Karachi:
zaibizohaib26@gmail.com

Abstract:

The soil of India is characterized by the presence of numerous eminent figures whose influence is unparalleled, especially in the realm of religious matters. Their impressions are deeply ingrained and continue to endure. Whether it be Shah Waliullah and his family, Abul Kalam Azad, Deputy Nazir Ahmed, Maulana Ahmad Raza Khan Barelvi, or Ashraf Ali Thanvi, all of them contributed significantly through their writings. Their services have not only been recognized but are also continually promoted by their followers. The impact that this commentary has had on the people of India and Pakistan is truly remarkable, and it's difficult to find another commentary that has left such a profound impression. Presently, in various forms, one can find a tafsir or translation authored by Maulana Ashraf Ali Thanvi in almost every household. This widespread presence of his work serves as a testament to the immense reverence and devotion that people have held for Maulana. Maulana Ashraf Ali Thanvi was a prominent figure in India who devoted his life to the propagation of Islam. He wrote on various subjects, encompassing society, economy, and customs and manners. However, what truly captivated the people of India and Pakistan was his commentary on the 'Bayan al-Qur'an.' This commentary is comprehensive, covering all the essentials that a common reader seeks, including jurisprudential and theological issues. It also delves into historical context. Additionally, it emphasizes Sufism, providing a Sufi perspective. While Maulana wrote the commentary with respect to tradition, there are aspects that offer potential avenues for further research.

Keywords: *Tarjuma*, Usloob, *Tafseeri Mahasin*, *Ghaib* mean, *Baqarah* mean, *Duai Ibrahim*, Reality of *Saum*, *Msalik-ul-Sulook*.

ہندوستان کی مٹی کا یہ خاصہ رہا ہے کہ اتنی قد آور شخصیات آتی رہی ہیں کہ دنیا کے کسی خطے میں شاید اس کی نظیر کہیں اور ملے خاص کر مذہبی بات ہو اس مٹی نے بڑی بڑی شخصیات پیدا کیں جنھوں نے اپنے کام سے لوگوں پر ایسا اثر چھوڑا کہ جس کے نقوش شاید ہی کبھی مٹ سکیں، شاہ ولی اللہ ہوں یا ان کے خوانوادے، ابو لکلام آزاد ہوں یا ڈپٹی نذیر احمد، مولانا احمد رضا خان بریلوی ہوں یا اشرف علی تھانوی ان سب نے جو لکھا خوب لکھا اور آج تک نہ صرف ان کی خدمات کا اعتراف کیا جاتا رہا ہے بلکہ ان کے معتقدین مسلسل ان حضرات کے کام کو آگے بڑھاتے جا رہے ہیں۔

مولانا اشرف علی تھانوی بھی ہندوستان کی وہ قد آور شخصیت تھے جنھوں نے دین اسلام کی ترویج کیلئے اپنی زندگی وقف کر دی۔ آپ نے ہر ہر موضوع پر قلم اٹھایا جن میں معاشرت، معیشت اور رسوم و آداب وغیرہ شامل تھے۔ لیکن جس موضوع نے ہندوستان اور پاکستان کے عوام کو اپنے سحر میں جکڑا وہ ان کی تفسیر 'بیان القرآن' تھی۔ یہ ایک مکمل اور جامع تفسیر ہے اور اس میں وہ تمام لوازمات شامل ہیں جو ایک عام قاری چاہتا ہے، مثلاً فقہی مسائل ہوں یا کلامی، دونوں کا التزام رکھا گیا ہے۔ اسی طرح آیت کی تفسیر میں تاریخ کو بھی سامنے رکھا۔ مزید یہ کہ تصوف کو سامنے رکھتے ہوئے صوفیانہ تفسیر کا بھی اہتمام کیا۔ مولانا نے اگرچہ روایات کے پیشِ نظر ہی تفسیر لکھی، لیکن ان کے کچھ ایسے تفردات جن پر تحقیق کے مزید دریچے کھلیں گے۔ یہاں مولانا چند تفسیری تفردات کو سپرد قرطاس کیا جاتا ہے۔

تفسیر بیان القرآن:

تفسیر بیان القرآن ۱۲ جلدوں میں مکمل ہوئی ہے، یہ تفسیر سب سے پہلے ۱۳۳۴ھ میں دہلی سے شائع ہوئی تھی۔ اضافے اور نظر ثانی کے بعد اس کا ایڈیشن ۱۳۵۳ھ، ۱۹۳۵ء میں تھانہ بھون سے اور پھر ۱۳۵۹ھ میں دہلی سے شائع ہوا تھا۔ اس کے بعد اس اب تک متعدد ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔[1]

تفسیر لکھنے کی ضرورت:

[1] ۔ نسیم احمد عثمانی، پروفیسر، اردو میں تفسیری ادب، ص، ۲۹۴، عثمانیہ اکیڈمک ٹرسٹ رجسرڈ، گلشنِ اقبال کراچی، ۱۹۹۴۔

تفسیر بیان القرآن از مولانا اشرف علی تھانوی 'رائے اور آثار' کا امتزاج

جس وقت مولانا نے تفسیر لکھنے کا آغاز کیا اس وقت کچھ ایسے تراجم و تفاسیر گردش کر رہے تھے جن سے عام قاری کی تشنگی نہیں ہو رہی تھی اور جو تفاسیر تھیں ان پر علماء کی ایک بڑی جماعت نے اعتراض اٹھایا یا ہوا تھا مثلاً: تفسیر القرآن الکریم از سر سید احمد خان وغیرہ کی تفسیر پر لوگوں نے کلام کیا ہوا تھا یعنی کہ یہ تفسیر 'سلف' کے اصول سے ٹکراتی ہے اور واقعی ایسا ہی تھا۔ اسی طرح ڈپٹی نذیر احمد کا بھی یہی معاملہ چل رہا تھا، چوں کا ان کا ترجمے کا اسلوب 'محاوراتی' تھا، اس ضمن میں اہلِ علم کا کہنا تھا کہ محاوراتی ترجمے میں وہ عزت و احترام ختم ہو رہا ہے۔ یہاں تک کہ ڈپٹی صاحب کے ترجمے کی خامیوں کی نشان دہی کرتے ہوئے مولانا اشرف علی تھانوی نے ایک رسالہ ' اصلاح ترجمہ دہلویہ' نکالا۔ ایسی صورتِ حال میں لوگوں نے مولانا کی طرف اس امید کے ساتھ دیکھا کہ وہ مایوس نہیں کریں گے۔ یعنی عام الناس کے لیے قرآنِ مجید کا ایسا ترجمہ و تفسیر پیش کریں گے جو عوام اور خواص کے لیے سود مند ہونے کے ساتھ ساتھ روایت اور درایت کا عمدہ امتزاج بھی ہو۔

اس ضمن میں صاحبِ تفسیر خود لکھتے ہیں:

"بعض لوگوں نے محض تجارت کی غرض سے پہلے نہایت بے احتیاطی سے قرآن کے ترجمہ شائع کرنے شروع کئے۔ جن میں بکثرت مضامین میں خلاف قواعد شرعیہ بھر دیئے، جن سے عام مسلمانوں کو بہت مضرت پہنچی ہے۔ ہر چند کہ چھوٹے چھوٹے رسالوں سے ان کے مفاسد پر اطلاع دے کر ان مضرتوں کی روک تھام کرنے کی کوشش کی گئی مگر چونکہ کثرت سے ترجمہ بینی کا مذاق پھیل گیا وہ رسالے اس غرض کی تکمیل کیلئے کافی ثابت نہ ہوئے تا وقتیکہ اپنا زمانہ کو کوئی ترجمہ بھی بتلایا جاوے تامل و مشورے سے یہی ضرورت ثابت ہوئی کہ ان لوگوں کو کوئی نیا ترجمہ دیا جاوے جن کی زبان طرز بیان و تقریر ہر مضامین میں ان کے مذاق و ضرورت کا حتی الامکان پورا لحاظر کھا رہے اور ساتھ ساتھ ہی اس کے کوئی ضروری مضمون خواہ جزو قرآن ہو یا اس کے متعلق ہو رہ نہ جاوے چند روز تک یہ صورت تجویز و پیرایہ تذکرہ میں رہی۔ آخر جب احباب کا تقاضہ زیادہ ہوا اور خود بھی اس کی ضرورت روزانہ مشاہدہ و معائنہ میں آنے لگی آخر بنام خدا محض توکل علی اللہ پھر اس پر اطمینان یہ کہ اگر میں کسی قابل نہیں ہوں تو کیا ہوا بزرگان عصر

اصلاح فرما کر اسکے دیکھنے کے قابل کر دیں گے۔ آخر ربیع الاول، ۱۳۲۰ھ میں اس کو شروع کرتاہوں اور اللہ تعالیٰ سے امید تمام اور نفع انام رکھتاہوں۔"[2]

ترجمہ کی نوعیت:

اگر بیان القرآن کے ترجمہ کو دیکھا جائے تو اس وقت لوگوں کیلئے قرآن کو سمجھنے کیلئے کافی مشکلات تھیں ایسے میں مولانا نے قرآن مجید کا ترجمہ نہایت سلیس اور آسان زبان میں کیا اس ضمن میں وہ خود لکھتے ہیں:

"قرآن مجید کا آسان ترجمہ کیا ہے جس میں قابل فہم ہونے کے ساتھ تحت اللفظی کی رعایت ہے۔ ترجمہ میں خالص محاورات استعمال نہیں کئے گئے دووجہ سے، اول تو میں قصباتی ہوں محاورات پر عبور نہیں۔ دوسرے یہ کہ محاورات پر مقام کے جدا جدا ہوتے ہیں۔ اگر دہلی کے محاورات لئے جاتے تو لکھنو نہ سمجھتے یہاں تک کہ محاورات حیدر آباد اور مدارس والے نہ سمجھتے۔ اسلئے کتابی زبان لی ہے کہ فصاحت کے ساتھ اس میں سلاست رہے"[3]

ترجمہ کے چند نظائر:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ا۔ الم ترکیف فعل ربک باصحب الفیل، الم یجعل کیدھم فی تضلیل۔[4]

تم نے دیکھا نہیں کہ تمھارے رب نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیا کیا۔ (مولانا مودودی)

کیا تو نے نہ دیکھا کہ تیرے رب نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیا کیا۔ (محمد جوناگڑھی)

کیا آپ کو معلوم نہیں کہ آپ کے رب نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیا کیا ان کی تدبیر کو (جو مکہ ویرانی کعبہ کے بارے میں تھی) سرتاپا غلط نہیں کر دیا۔ (مولانا اشرف علی تھانوی)

---

[2] ۔ بیان القرآن، مولانا اشرف علی تھانوی، ص،٦، مکتبۂ رحمانیہ، اقرا سینٹر، غزنی اسٹریٹ، لاہور، س ن، ١/٦

[3] ۔ بیان القرآن، مولانا اشرف علی تھانوی، ص،٦، مکتبۂ رحمانیہ، اقرا سینٹر، غزنی اسٹریٹ، لاہور، س ن، ١/٦

[4] ۔ القرآن: ١:١٠٥

غور کیجیے تو دوسرے مترجمین کے برعکس مولانا نے تحت اللفظی کے ساتھ ساتھ قوسین میں مختصر سا اشارہ بھی کر دیا تا کہ قاری صرف ترجمہ پڑھتے ہوئے فوراً سمجھ جائے کہ آیا وہ تدبیر کیا تھی۔ ایک اچھے مترجم کا یہی ایک خاصہ ہوتا ہے۔

۲۔ لایلاف قریش، ایلافھم رحلة الشتاء والصیف[5]

چونکہ قریش مانوس ہوئے۔ (یعنی) جاڑے اور گرمی کے سفروں سے مانوس۔ (مولانا مودودی)

قریش کے مانوس کرنے کے لیے۔ (یعنی) جاڑے اور گرمی کے سفر سے مانوس کرنے کے لیے۔ (محمد جوناگڑھی)

قریش کے مانوس کرنے کے سبب (یعنی) ان کو جاڑے اور گرمی کے سفر سے مانوس کرنے کے سبب۔ (فتح محمد جالندھری)

چونکہ قریش خوگر ہو گئے ہیں یعنی جاڑے اور گرمی کے سفر میں خوگر ہو گئے ہیں۔ (مولانا اشرف علی تھانوی)

۳۔ انا اعطیناکا لکوثر۔ (۶۱)

(اے محمد ﷺ) ہم نے تم کو کوثر عطا فرمائی۔ (فتح محمد جالندھری)

(اے نبی) ہم نے تمھیں کوثر عطا کر دیا۔ (مولانا مودودی)

یقیناً ہم نے تجھے (حوض) کوثر (اور بہت کچھ) دیا ہے۔ (محمد جوناگڑھی)

بے شک ہم نے آپ کو کوثر (ایک حوض کا نام ہے اور ہر خیر کثیر بھی اس میں داخل ہے۔ (مولانا اشرف علی تھانوی)

ذرا سا توقف کیجیے کہ معلوم ہو گا کہ مولانا نے کتنی آسانی اور روانی میں لفظ 'کوثر' کا مفہوم بھی ساتھ سمجھا دیا تا کہ قاری شروع سے آخر تک اس شش و پنج میں مبتلا نہ رہے کہ آخر 'کوثر' کے معنی کیا ہیں۔

---

[5] ۔ القرآن: ۱۰۶: ۱

ترجمے کے حوالے سے ایک بات ذہن میں رہے عصرِ حاضر میں جب اردو زبان بولی تو ضرور جاتی ہے لیکن جیسا بولنے کا حق ہے اس طرح نہیں، اس حساب سے ایک عام قاری کے لیے مولانا کے ترجمے کو سمجھنا کافی مشکل ہے کیونکہ زبان زمانے کے ساتھ سفر کرتی ہے اس کے کچھ الفاظ متروک ہو جاتے ہیں، کچھ باقی اور کچھ یہ نئے الفاظ کو شامل کر لیتی ہے، اس لیے اب ترجمہ کو سمجھنے میں ایک عام قاری کو کافی کافی دشواری پیش آتی ہے۔

تفسیر، بیان القرآن کے تفسیری اصولوں کا جائزہ:

ہر مفسر اپنے تفسیری اصول متعین کرتا ہے اور انھی اصولوں پر عمل پیرا ہوتے ہوئے وہ پورے قرآنِ مجید کی تفسیر کرتا ہے، جیسے 'تدبرِ قرآن' از امین احسن اصلاحی کے تفسیری اصولوں میں سے ایک یہ ہے کہ وہ 'نظم' کو ترجیح دیتے ہیں۔ یہاں مولانا کے چند تفسیری اصولوں کا ملخص سپردِ قرطاس کیا جاتا ہے:

☆ "نفسِ ترجمہ کے علاوہ جس مضمون کو بہت ضروری دیکھا اس پر توضیح اور ترجمہ کی موقوف ہے یا کوئی شبہ ہے خود قرآن کے مضمون سے ظاہر پیدا ہوتا تھا اس کا جواب یا مضمون قرآنی کی مشہور تحقیقات کے خلاف معلوم ہوتا تھا اس کی تحقیق یا اس قسم کی ضروری بات ہوئی تو اس کو "ف" بنا کر بڑھا دیا باقی لطائف و نکات یا طویل و عریض حکایات یا فضائل یا بہت سے مسائل وغیرھا سے تفسیر کو طول نہیں کیا گیا۔۔

☆ جس آیت کی تفسیر میں بہت سے اقوال مفسرین کے ہیں ان میں سے جس کو ترجیح معلوم ہوئی اس کو لے لیا باقی بقید سے تعرض کیا۔۔

☆ اختلافیات کی تفسیر میں صرف مذہب حنفی لیا گیا ہے۔۔

☆ **خواص کیلئے:** نفع عوام کے ساتھ افادہ خواص کا بھی خیال آ گیا اسلئے ان کے فائدے کے واسطے ایک حاشیہ بڑھا دیا ہے جس میں مکیت و مدنیت سور و آیات غیر مشہور لغات و ضروری وجوہ بلاغت و مغلق ترکیب و خفی الاستنباط فقہیات و کلامیات اسباب ونزول وروایات واختلافات و قراءت مغیرہ ترکیب یا حکم وتوجیہ ترجمہ و تفسیر ایجاز کے ساتھ مذکور ہیں۔۔۔

☆ ہر حاشیہ کی عربی اسلئے تجوید کی ہے کہ عوام اس کے دیکھنے کی ہوس نہ کریں۔۔۔"[6]

تصوف:

اسی طرح مولانا اشرف علی تھانوی آیات کی تفسیر کے بعد ایک عنوان دیتے ہیں جس کا نام ہے "سلوک" یعنی آخر میں اس آیت کی تفسیر کو تصوف کے اصولوں پر رکھتے ہیں اس کی تشریح و توضیح کرتے ہیں۔

بیان القرآن، تفسیر بالرائے اور تفسیر بالماثور کا امتزاج:

تفسیر بیان القرآن کا بہ نظرِ عمیق مطالعہ کیا جائے تو یہ تفسیر بالرائے اور تفسیر بالماثور کی بہترین مثال ہے ۔ آیت کی شرح وضاحت میں جہاں صاحبِ تفسیر 'رائے' کا التزام کرتے ہیں، وہیں 'روایات' بھی لے کر آتے ہیں، جس سے قاری کو تصویر کے دونوں رخ آشکار ہو جاتے ہیں۔ ساتھ ہی ساتھ مولانا مفسرین کے اقوال بھی لیکر آتے ہیں اور راجح مرجوح کے اصول کو سامنے رکھتے ہیں اس ضمن میں وہ لکھتے ہیں:

"جس آیت کی تفسیر میں بہت سے اقوال مفسرین کے ہیں ان میں سے جس کو ترجیح معلوم ہوئی صرف اس کو لیا بقید اسے تعرض کیا"[7]

تفسیری محاسن

غیب سے مراد:

قرآنِ مجید میں جگہ جگہ آیا ہے، کہ اہلِ ایمان غیب پر ایمان رکھتے ہیں، جیسا کہ سورۃ البقرۃ کی ابتدائی آیت میں آتا ہے کہ "لوگ ایسے ہیں کہ یقین دلاتے ہیں چھپی ہوئی چیزوں پر (ترجمہ، مولانا اشرف علی تھانوی)۔۔۔"[8] اس سے

---

[6] ۔ بیان القرآن، مولانا اشرف علی تھانوی، ص،۶،۷، مکتبہ رحمانیہ، اقرا سینٹر، غزنی اسٹریٹ، لاہور، س ن، ۱/۶

[7] ۔ بیان القرآن، مولانا اشرف علی تھانوی، ص،۶،۷، مکتبہ رحمانیہ، اقرا سینٹر، غزنی اسٹریٹ، لاہور، س ن، ۱/۶

[8] ۔ القرآن: ۲:۳

مراد مفسرین نے بہت تفصیل سے لکھا ہے اتنی تفصیل کبھی کبھار قاری کے لیے اصل سے توجہ ہٹا دیتی ہے۔ مولانا نے ایک سیدھا سا اصول بیان کر دیا کہ جو حواس و عقل سے پوشیدہ ہیں بس اللہ اور رسول نے کہہ دیا کہ یہ غیب ہیں تو بس وہی غیب ہے مثلاً: سورۃ البقرۃ کی آیت نمبر ۲ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"(غیب کے معنی) یعنی جو چیزیں ان کے حواس و عقل سے پوشیدہ ہیں صرف اللہ ورسول کے فرمانے سے ان کو صحیح مان لیتے ہیں"[9]

مولانا نے ایک سیدھا سیدھا فارمولا سکھادیا کہ جسے اللہ اور رسول بول دیں یہ 'غیب' ہے، بس پھر بحث میں جانے کی ضرورت نہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ایک مقام پر ارشاد فرمایا کہ راسخ العقیدہ لوگ کہتے ہیں کہ ہم اس پر (متشابہ آیات) ایمان لائے۔[10]

حکمتیں تلاش ضرور کی جائیں، لیکن پہلے سرِ تسلیم خم کر لیا جائے۔

اوپر کی سطور میں واضح کیا گیا کہ 'راسخ العقیدہ' متشابہ پر ایمان لاتے ہیں، اسی طرح یہی لوگ 'امنا اور صدقنا' کے مصداق بھی ہوتے ہیں۔ مولانا اشرف علی تھانوی کی شخصیت کا ایک پہلو 'مبلغ' بھی تھا، یعنی تبلیغ کے لیے جو کام مولانا نے کیا وہ اظہر من الشمس ہے۔ ان کی تفسیر میں جگہ جگہ یہ بات ملتی ہے کہ جہاں حکمت ہو وہاں بیان کی جائے، لیکن جہاں اللہ کا حکم ہو، وہاں بحث و مباحثہ کی گنجائش نہیں جیسا کہ 'تعبدی احکام' میں یہ سوال کرنا کہ فجر کی نماز میں دو رکعت کی کیا حکمت ہے، وغیرہ وغیرہ۔ سورۃ البقرۃ میں آدم کو شجرِ ممنوعہ کی کوئی حکمت نہیں بتائی بس کہا کہ نہیں جانا[11]

اس ضمن میں مولانا اشرف علی تھانوی بہت عمدہ توجیہ پیش کرتے ہیں، وہ لکھتے ہیں:

---

[9] ۔ بیان القرآن، مولانا اشرف علی تھانوی، ص،۶،۷، مکتبہ رحمانیہ، اقرا سینٹر، غزنی اسٹریٹ، لاہور، س ن، ۱/ ۲۳

[10] ۔ القرآن:۳:۷

[11] ۔ القرآن:۱:۳۵

''خدا جانے وہ کیا درخت تھا مگر اس کے کھانے سے منع فرمادیا۔ ہر آقا کو اختیار ہوتا ہے کہ اپنے گھر کی چیزوں میں سے غلام کو جس چیز کے برتنے کی چاہے اجازت دیدے جس چیز سے چاہے منع کر دے۔۔''[12]

لفظ 'بقرۃ' سے مراد 'گائے' یا 'بیل'!

سورۃ بقرہ میں اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو گائے ذبح کرنے کا حکم دیا تھا، جس پر انھوں نے مختلف سوالات کیے جیسے کہ ،اس کی ماہیت کیا ہو؟ اس کا رنگ کیسا ہو؟ وہ ہلا چلائی ہوئی ہو یا نہ ہو؟ وغیرہ۔ مثلاً: ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖۤ اِنَّ اللّٰهَ یَاْمُرُكُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَةً[13]

اور پھر وہ واقعہ یاد کرو جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ اللہ تمھیں ایک گائے ذبح کرنے کا حکم دیتا ہے۔

مذکورہ آیت میں لفظ 'بقرۃ' کے تقریباً تمام مترجمین نے گائے ہی لیا ہے، لیکن مولانا اشرف علی تھانوی صاحب نے اس سے مراد 'بیل' لیا ہے۔ آیتِ بالا کا ترجمہ مختلف مترجمین کچھ اس طرح کیا ہے:

پھر وہ واقعہ یاد کرو جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ اللہ تعالیٰ تمھیں ایک گائے ذبح کرنے کا حکم دیتا ہے۔(مولانا مودودی)

اور یاد کرو جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ اللہ تعالیٰ تمھیں حکم دیتا ہے کہ ایک گائے ذبح کرو۔(مولانا امین احسن اصلاحی)

اور (وہ زمانہ یاد کرو) جب موسیٰؑ نے اپنی قوم سے فرمایا کہ حق تعالیٰ تم کو حکم دیتے ہیں کہ تم ایک بیل ذبح کرو۔۔۔(مولانا اشرف علی تھانوی)

---

[12]۔ بیان القرآن، مولانا اشرف علی تھانوی، ص،۶،۷، مکتبۂ رحمانیہ، اقرا سینٹر، غزنی اسٹریٹ، لاہور، س ن، ۱/۴۳

[13]۔ القرآن: ۲:۶۷

مذکورۃ آیت کے بعد جو بنی اسرائیل کے سوالات کے جوابات بیان ہوئے جن میں سے آیت نمبر ا۷ میں ایک بھی تھا کہ 'وہ نہ تو ہل میں چلا ہو جس سے زمین جوتی جائے نہ اس سے زراعت کی آبپاشی کی جائے'

یہاں ایک بات کی حقیقت واضح ہوتی ہے کہ زراعت اور کھیتی کے لیے 'بیل' ہی کو جوتا جاتا ہے، 'گائے' کو نہیں۔ اس لیے سیاق وسباق سے پتہ چلتا ہے کہ 'بقرۃ' کے معنی 'بیل' بھی مراد لیا جاسکتا ہے۔

دعائے ابراہیمی سے مراد صرف 'بنی اسماعیل'!

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ ۚ إِنَّكَ أَنتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ۔[14]

اے ہمارے پروردگار! اور اس جماعت کے اندر ایسا پیغمبر بھی مقرر کیجیے جو ان لوگوں کو آپ کی آیتیں پڑھ پڑھ کر سنایا کریں اور ان کو (آسمانی) کتاب کی خوش فہمی کی تعلیم دیا کریں اور ان کو پاک کریں۔ (ترجمہ، مولانا اشرف علی تھانوی)

آیتِ بالا کی رو سے آیت کا مصداق 'بنی اسماعیل' ہیں جیسا کہ صاحبِ تفسیر تدبرِ قرآن، مولانا امین احسن اصلاحی کے بہ قول "اس آیت کو کوئی تعلق بھی حضرت اسحاقؑ کی ذریت سے نہیں ہو سکتا، توراۃ کے الفاظ سے بھی یہی بات نکلتی ہے۔"[15]

مولانا اشرف علی تھانوی لکھتے ہیں:

"جس جماعت کا اس آیت میں ذکر ہے وہ صرف بنی اسماعیل ہیں، جن میں جناب رسول ﷺ مبعوث ہوئے پس یہاں جن پیغمبر کے لیے دعا ہے، اس سے مراد صرف آپ ہوئے، کیوں کہ یہ دعا دونوں صاحبوں نے کی ہے وہی

---

[14] ۔ القرآن:۲:۱۲۹

[15] ۔ امین احسن اصلاحی، تدبرِ قرآن، فاران فاؤنڈیشن، ۱/ ۲۳۰

جماعت مراد ہو سکتی ہے جو دونوں کی اولاد میں ہو اور پیغمبر کے ذکر میں کہا گیا کہ وہ اس جماعت میں سے ہوں تو وہ جماعت بنی اسماعیل ہوئی اور پیغمبر آپ ہوئے جو کہ بنی اسماعیل میں سے ہیں اس واسطے حدیث صحیح میں ارشاد نبوی ہے کہ میں اپنے باپ ابراہیمؑ کی دعا کا ظہور ہوں۔۔۔"[16]

آیت کا خلاصہ یہ ہے کہ:

- حضرت ابراہیمؑ کی دعا سے مراد حضور ﷺ ہیں۔
- صاحبِ تدبرِ قرآن کے نزدیک بھی آیت سے مراد بنی اسماعیل ہیں، ساتھ ہی توراۃ بھی اس بات کی گواہی دیتی ہے۔
- مولانا اشرف علی تھانوی کے بہ قول بھی اس سے مراد صرف 'بنی اسماعیل ہیں'۔
- دعا دونوں صاحبوں (حضرت ابراہیمؑ و اسماعیلؑ) نے کی ہے وہی جماعت مراد ہو سکتی ہے جو دونوں کی اولاد میں ہو اور پیغمبر کے ذکر میں کہا گیا کہ وہ اس جماعت میں سے ہوں۔

مولانا کی علمی بصیرت دیکھیے کہ انھوں نے پہلے 'رائے (محمودہ)' کا اظہار دلیل سے کیا (دلیل اوپر مذکور ہے) یعنی واضح کیا آیت سے مراد 'بنی اسماعیل' ہیں۔ ساتھ ہی صحیح حدیث سے مزید وضاحت کر دی کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ میں دعائے ابراہیم کا ظہور ہو' یعنی 'تفسیر بالرائے' اور 'تفسیر بالماثور' کا بہترین امتزاج دیکھنا ہو تو صرف اس آیت کو ہی دیکھ لیا جائے۔

پچھلی امتوں کے صیام (روزے) رکھنے کی نوعیت:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ۔[17]

---

[16] ۔ بیان القرآن، مولانا اشرف علی تھانوی، ص،۶،۷، مکتبۂ رحمانیہ، اقرا سینٹر، غزنی اسٹریٹ، لاہور، س ن، ۱/۹۳

[17] ۔ القرآن: ۲:۱۸۳

اے ایمان والو تم پر روزہ فرض کیا گیا ہے جس طرح تم سے پہلے (امتوں کے) لوگوں پر فرض کیا گیا تھا۔(ترجمہ، مولانا اشرف علی تھانوی)

آیت بالا میں 'پہلے کی امتوں' سے متعلق روزے کی فرضیت کا بتایا گیا ہے، مفسرین نے مختلف تاریخی واقعات بیان کیے ہیں، مثلاً مولانا امین احسن نے لکھا ہے:

"آسمانی شریعتوں میں یہ ابتدا سے تربیتِ نفس کی خاص ریاضت رہی ہے۔"[18]

اس ضمن مولانا اشرف علی تھانوی نے روح المعانی کا حوالہ دیتے لکھا ہے:

"پہلی امتوں میں سے نصاریٰ پر روزہ فرض ہونے کا بیان ایک حدیث میں اس طرح آیا ہے ہ نصاریٰ پر ماہِ رمضان کا روزہ فرض ہوا تھا، ان کا کوئی بادشاہ بیمار ہوا تو اس کی قوم نے نذر مانی کہ اگر بادشاہ کو شفا ہو جائے تو ہم دس روزے اور اضافہ کر دیں گے پھر کوئی اور بادشاہ بیمار ہوا اور اس کی صحت پر سات کا اور اضافہ ہوا پھر تیسرا بادشاہ ہوا سو اس نے تجویز کیا کہ بچاس میں تین ہی کی کسر رہ گئی ہے، لاؤ تین اور بڑھالیں اور ایام ربیع میں سب رکھ لیا کریں"[19]

بہر حال یہ تاریخی نوعیت کی بحث ہے، قرآن نے 'جیسا کہ تم سے پہلی امتوں' کہا ہے، تو یہ حقیقت ہے کہ ماضی میں قوموں پر روزے فرض ہوئے ہوں گے، لیکن ان کی نوعیت اور ان کی تعداد پر بحث ہوتی رہتی ہے۔

فحش باتیں: جائز اور ناجائز

عام طور پر کہا جاتا ہے کہ فحش گوئی گناہ ہے، لیکن مولانا نے 'فحش' کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے ایک 'جائز' اور دوسری 'ناجائز'۔ حج کے ضمن میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمَاتٌ ۚ فَمَنْ فَرَضَ فِيْهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ۔[20]

---

[18] ۔امین احسن اصلاحی، تدبر قرآن، فاران فاؤنڈیشن، ۱/ ۲۳۰

[19] ۔بیان القرآن، مولانا اشرف علی تھانوی، ص،۶،۷، مکتبہ رحمانیہ، اقرا سینٹر، غزنی اسٹریٹ، لاہور، س ن، ۱/ ۱۲۷

[20]۔القرآن: ۲: ۱۹۷

ترجمہ: (زمانہ) حج چند مہینے ہیں جو معلوم ہے (شوال ذیقعدہ اور دس تاریخیں ذوالحجہ کی) سو جو شخص ان میں حج مقرر کرے تو پھر اس کو نہ کوئی فحش بات جائز ہے نہ کوئی بے حکم (درست ہے) نہ کسی قسم کا نزع زیبہ ہے

عام طور پر کہا جاتا ہے کہ فحش گوئی گناہ ہے، لیکن مولانا نے ’فحش‘ کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے ایک ’جائز‘ اور دوسری ’ناجائز‘۔ حج کے ضمن میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمَاتٌ ۚ فَمَنْ فَرَضَ فِيْهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ۔[21]

ترجمہ: (زمانہ) حج چند مہینے ہیں جو معلوم ہے (شوال ذیقعدہ اور دس تاریخیں ذوالحجہ کی) سو جو شخص ان میں حج مقرر کرے تو پھر اس کو نہ کوئی فحش بات جائز ہے نہ کوئی بے حکم (درست ہے) نہ کسی قسم کا نزع زیبا ہے۔ (ترجمہ، مولانا اشرف علی تھانوی)

مذکورہ آیت کے ترجمے میں ’فحش‘ سے متعلق مولانا لکھتے ہیں:

”فحش بات دو طرح کی ہے ایک وہ جو پہلے ہی سے حرام ہے وہ حج کی حالت میں زیادہ حرام ہو گی دوسرے وہ کہ پہلے سے حلال تھی جیسے اپنی بیوی سے بے حیائی اور بے حجابی کی باتیں کرنا حج میں یہ بھی درست نہیں اسی طرح بے حکم دو طرح کی ہے ایک وہ جو پہلے سے حرام ہے جیسے تمام گناہ یہ حج کی حالت میں زیادہ حرام ہو جاوے گی دوسرے وہ امور جو خاص حج کی وجہ سے ممنوع ہو گئے جیسے خوشبو لگانا بال گھٹانا وغیرہ یہ وغیرہ سو حج میں یہ امور ناجائز ہوتے ہیں۔“[22]

یعنی مولانا نے بے حجابی کی باتوں کو بھی ’فحش جائزہ‘ کہا ہے۔ مولانا کا یہ تفرد ہے کہ وہ پہلے مفسر ہیں جنھوں نے ’فحش‘ کی اقسام کو جائز اور ناجائز میں تقسیم کیا ہے۔ وگرنہ زیادہ تر مفسرین نے فحش کے معنی ناجائزہ ہی لکھا ہے۔ اور میاں بیوی کے لیے بے حیائی کی باتوں کو بے حجابی وغیرہ لکھا ہے۔ جیسا کہ صاحب تفہیم القرآن، مولانا مودودی آیتِ بالا کے حوالے سے لکھتے ہیں:

---

[21]۔ القرآن: ۲:۱۹۷

[22]۔ بیان القرآن، مولانا اشرف علی تھانوی، مکتبہ رحمانیہ، اقرا سینٹر، غزنی اسٹریٹ، لاہور، س ن، ۱/۱۴۰

"احرام کی حالت میں میاں اور بیوی کے درمیان نہ صرف تعلق زن وشو ممنوع ہے بلکہ ان کے درمیان کوئی ایسی گفتگو بھی نہیں ہونی چاہیے جو رغبتِ شہوانی پر مبنی ہو۔"[23]

فقہی استنباط:

مولانا اشرف علی تھانوی ایک مفسر ہونے کے ساتھ ساتھ ایک فقیہ بھی تھے جگہ جگہ اپنی تفسیر میں فقہی مسائل کا استنباط کیا ہے اس کے ساتھ ساتھ یہ بات واضح ہو جائے کہ فقہی مسائل میں مولانا نے فقہ حنفی کو ترجیح دی ہے۔ یہاں ایک مثال ہی کافی ہو گی۔

نکاح کی صحیح عمر:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وابتلو الیتمیٰ حتیٰ اذا بلغو النکاح [24]

اور یتیموں کو ان کے بالغ ہو جانے تک سدھارتے رہو (ترجمہ: مولانا جونا گڑھی)

آیتِ بالا کی تشریح میں مولانا 'بلوغت' کے حوالے سے لکھتے ہیں:

"مسئلہ: علامت بلوغ کی انزال اور حیض ہے اور یہ نہ تو مرد کی عمر ۱۸ سال کی اور عورت کی ۱۷ سال بقیہ بعض علماء مفتی پندرہ سال دونوں میں وھومذھب الصاحبین ووافقھما الامام فی روایہ عنہ۔ البتہ اگر دماغ میں ایسا فتور ہو جس کو جنون باعتہ کہتے ہیں اس کا حکم تمام تر مثل نابالغ کے رہے گا یہ ہدایہ میں ہے"[25]

---

[23] ۔ تفہیم القرآن، مولانا مودودی، ادارۂ ترجمان القرآن، لاہور، س ن، ۱/۱۵۵

[24] ۔ القرآن: ۶:۴

[25] ۔ بیان القرآن، مولانا اشرف علی تھانوی، مکتبۂ رحمانیہ، اقرا سینٹر، غزنی اسٹریٹ، لاہور، س ن، ۱/۳۲۷

مسائل السلوک:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

والذان یاء تیانھا منکم فاذوھما فان تاباواصلحافاعرضوعنھما [26]

ترجمہ: اور جن سے دو شخص بھی بے حیائی کا کام کریں تو ان دونوں کو اذیت پہنچاؤ اگر دونوں توبہ کرلیں اور اصلاح کرلیں تو ان دونوں سے تعرض نہ کرو (ترجمہ اشرف علی تھانوی)

تفسیرِ صوفیانہ:

"قولہ تعالیٰ فان تاباواصلحا فاعرضوا عنھما اس میں دلالت ہے اس پر کہ تائب پر طعن و تشنیع نہ چاہئے کہ ایذا پہنچانا ہے بلاضرورت بلکہ اس میں شرکاء کا مفہوم کرنا ہے قولہ تعالیٰ انما التوبۃ علی اللہ للذین یعملون السوء بجھالہ۔ ایسے امر کا ارتکاب جو عاقل کی شان کے لائق نہ ہو جہالت سے تعبیر کرنا ہے اگرچہ علم اور عمل میں اس کا صدور ہو دلیل ہے صوفیہ کی اس کی تفسیر کہ وہ یقین کے معنی کہتے ہیں اعتقاد جازم مطابق واقع مع غلبہ حال کہ قرآن مجید میں اس کے فقدان کو جہالت کیا گیا ہے" [27]

تفسیر بیان القرآن کا ماحصل یہ ہے:

یہ تفسیر اس وقت لکھی گئی جب مختلف تراجم و تفاسیر غلط انداز میں (یعنی عربیت و روایات و آثار کو پسِ پشت ڈال کر) لکھی جارہی تھیں۔

- تفسیر میں رائے اور آثار کا بہترین امتزاج ہے۔
- ترجمہ: آج کے دور میں قاری کے لیے تھوڑا سا مشکل ثابت ہو گا۔
- ترجمے کی خاص بات یہ ہے کہ قوسین میں انتہائی مختصر سی وضاحت کر دیتے ہیں تاکہ قاری شارع کا بات سمجھ جائے۔
- اردو زبان میں واحد مترجم ہیں جنھوں نے لفظ 'بقرۃ' کے معنی 'بیل' لیے ہیں۔

26۔ القرآن: ۱۶:۴

27۔ بیان القرآن، مولانا اشرف علی تھانوی، مکتبہ رحمانیہ، اقراسینٹر، غزنی اسٹریٹ، لاہور، س ن، ۱/۳۳۷

- آیات میں موجود فقہی مسائل کے لیے زیادہ تر 'فقہ حنفی' کو ترجیح دی گئی ہے۔
- خواص کے لیے عربی زبان کو فوقیت دی گئی ہے تاکہ 'قاری' مشکلات کا شکار ہی نہ ہو اور یہ بات انھوں نے تفسیری اصول میں لکھ دی ہے۔
- تصوف پر گہری نظر رکھتے تھے اس لیے مولانا جہاں جہاں ضرورت محسوس کرتے وہاں 'مسائل السلوک' کے حوالے سے تفسیر لکھ دیتے۔

تفسیر بیان القرآن پر علماء کا تبصرہ:

تفسیر بیان القرآن ایک جامع تفسیر ہے اس تفسیر کے بارے میں علمائے کرام نے کچھ اس طرح تبصرہ کیا ہے:

مفتی شفیع:

"اگر یہ کہا جائے کہ اردو زبان کی تفاسیر میں اس کی کوئی نظیر نہیں ملتی بلکہ عربی زبان میں بھی ایسی مختر جامع تفاسیر بہت کم ہیں تو قطعاً کوئی مغالطہ نہیں۔"[28]

ماہر القادری:

"یہ ترجمہ سلیس ہے آسان ہے اور دلنشین ہے حقیقت یہ ہے کہ حضرت تھانوی نے یہ تفسیر لکھ کر اردو دنیا پر بڑا احسان کیاہے۔ بیان القرآن سے عوام اور خواص بھی فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔"[29]

مولانا عبد الماجد دریا آبادی:

[28] ۔ڈاکٹر صالحہ عبد الکریم شرف الدین، قرآنِ حکیم کے اردو تراجم، قدیمی کتب خانہ، آرام باغ، کراچی، س ن، ۲۸۸

[29] ۔ڈاکٹر صالحہ عبد الکریم شرف الدین، قرآنِ حکیم کے اردو تراجم، قدیمی کتب خانہ، آرام باغ، کراچی، س ن، ۲۸۹

تفسیر بیان القرآن از مولانا اشرف علی تھانوی 'رائے اور آثار' کا امتزاج

''حقیقت یہ ہے کہ پرانے ترجموں میں شاہ رفیع الدین کا ترجمہ اور نئے ترجموں میں حکیم الامت کا ترجمہ بس یہ دو ترجمہ باقی تمام تمام ترجموں سے بے نیاز کر دینے والے ہیں۔''[30]

تبصرہ:

مولانا اشرف علی تھانوی ایک صوفی بزرگ، عالم دین، فقیہ اور اور مفسر قرآن تھے آپ نے دین کا صحیح تصور لوگوں میں اجاگر کیا۔ ساتھ ہی آپ نے مردوں کے ساتھ ساتھ خواتین کے لیے بھی کتابیں لکھیں۔ اگرچہ اکثریت کا خیال ہے کہ بیان القرآن تفسیر بالماثور ہے، لیکن اس تفسیر کا بہ نظرِ عمیق مطالعہ کیا جائے تو یہ تفسیر بالماثور اور تفسیر بالرائے کا بہترین امتزاج ہے۔

---

[30] ۔ڈاکٹر صالحہ عبد الکریم شرف الدین، قرآنِ حکیم کے اردو تراجم، قدیمی کتب خانہ، آرام باغ، کراچی، س ن، ۲۸۹